فن سوانح نگاری کے مباحث: جیمز لوری کلفرڈ کا خصوصی مطالعہ

افشاں بتول، پی ایچ ڈی سکالر، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی اسلام آباد
نجیبہ عارف، نگران مقالہ و ڈین کلیہ زبان و ادب، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد

ABSTRACT:

Biography is a significant literary genre which has gained much popularity in the contemporary period. However, as compared to other literary forms, this genre has not been the focus of the attention of the literary critics. In Urdu, this deficiency is even more sever and we seldom find any discussion on the basic principles, and canons of this literary genre. James Lowry Clifford, a British critic has addressed this issue in his book *From Puzzle to Portrait: Problems of Literary Biographer* and have discussed the cannon of Biography writing. He has categorized the biographies into five types which are: Objective Biography, Scholarly/ Historical Biography, Artistic Biography, Narrative Biography and Fictional Biography. These principles and categories have been discussed and analyzed in this article.

کلیدی الفاظ: فنِ سوانح نگاری۔ جمیز لوری کلفرڈ۔ اردو تنقید۔

سوانح نگاری ادب کی ایک اہم صنف ہے جس کا مقصود یہ ہے کہ کسی شخصیت کی زندگی کے حالات و واقعات، نظریات و افکار اور تجربات و حادثات کا بیان کیا جائے۔ دیکھنے میں تو یہ ایک سیدھی سادی سی بات معلوم ہوتی ہے کہ لیکن در حقیقت ایسا نہیں ہے۔ جب سوانح نگاری کو ادب کی ایک صنف قرار دیا جاتا ہے تو کسی شخصیت کے حالات کے بیان میں معروضیت کا دعویٰ کرنا محال ہو جاتا ہے کیوں کہ ادبی اصناف میں لکھنے والے کے داخلی رجحانات کا در آنا ناگزیر ہو جاتا ہے۔ اس پیچیدہ صورت حال میں یہ ضروری ہے کہ بطور ایک ادبی صنف سوانح نگاری کے اصول و ضوابط زیر بحث لائے جائیں اور یہ دیکھا جائے کہ ایک اچھی سوانح میں کن عناصر کا موجود ہونا ضروری ہے اور کون سے ایسے عناصر ہیں جن کی وجہ سے سوانح پایۂ اعتبار سے گر جاتی ہے کیوں کہ زندگی کی کہانی کو بیان کرنے کے لیے "بیانیے" کے تقاضوں کے مطابق ادبی ڈھانچے کا استعمال بذاتِ خود سوانح نگاروں کے لیے ایک چیلنج ہے۔ ورجینیا وولف (1882ء-1941ء، Virginia

(Woolf,)نے سوانح نگار کے لیے جدید زمانے کے چیلنج سے نمٹنے کو ضروری قرار دیا ہے، کیوں کہ آج کے سوانح نگار اس دور میں رہ رہے ہیں، جہاں اخبارات، خطوط اور ڈائریوں وغیرہ کے ذریعے ہر کردار پر ہر زاویے سے ہزاروں کیمرے لگے ہوئے ہیں۔اس لیے ہر سوانح نگار کو صاحبِ سوانح کی شخصیت کے متضاد پہلوؤں کو بھی تسلیم کرنا چاہیے۔(۱) یہاں ورجینیا وولف کی مراد خود ان کے اپنے دور سے ہے جسے گزرے اب ایک صدی ہونے کو ہے۔آج کے دور میں تو سوانح نگار کو دستیاب ذرائع پہلے سے کہیں بڑھ گئے ہیں لیکن ان ذرائع کو قبول کرنے میں مشکل بھی اتنی ہی بڑھ گئی ہے کیوں کہ درست اور غلط، سچ اور جھوٹ اور حقیقت اور پروپیگنڈا کے درمیان امتیاز کرنا دشوار تر ہوتا جا رہا ہے۔تاہم ۱۹۳۹ء میں ورجینیا وولف کی دوررس نظر نے اس صنف کو درپیش چیلنجز کا اندازہ کر لیا تھا۔

معروف سوانح نگار لیئن ایڈل(Leon Edel 1907ء۔1997ء) بھی اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہیں کہ دیگر اصناف کے مقابلے میں سوانح عمری کے ضمن میں کوئی قابلِ ذکر تنقیدی کاوش نظر نہیں آتی۔قرونِ وسطیٰ میں جب بڑے پیمانے پر مقدسین کی سوانح عمریاں ضابطہ تحریر میں لائی گئیں تو اس وقت مغرب میں بھی سوانح نگاری کے الگ سے کوئی ایسے تنقیدی مباحث موجود نہیں تھے جن میں اس صنف کے طریق کار کو بیان کرنے یا اس کی وضاحت کی کوشش کی جاتی۔ہر کسی نے از خود ہی یہ خیال کر لیا کہ سوانح عمری لکھنے والوں کو سب پتا ہوتا ہے کہ کیا کرنا ہے؟ان کا کام حقائق کو اکٹھا کرنا اور اپنی مرضی کے مطابق تاریخ وار ترتیب دے دینا ہے۔اٹھارھویں صدی کے پہلے نصف حصے میں سوانح عمری پر شاید ہی کوئی ایک مضمون ملتا ہو۔سوانح نگار کے مسائل پر بھی کسی نے کچھ لکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔اسی لیے لیئن ایڈل لکھتے ہیں:

> There exists, I am sorry to say, no criticism of biography worthy of the name. Reviewers and critics have learned how to judge plays, poems, novels-but they reveal their helplessness in the face of a biography(۲)

لیکن معاصر عہد میں اس کمی کو دور کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے اور فن سوانح نگاری کو موضوع بحث بنانے پر توجہ دی جا رہی ہے۔اٹھارھویں صدی کے وسط میں سیموئیل جانسن(Samuel Johnson)نے، جن کو جدید ادبی

بایو گرفی کا بانی مانا جاتا ہے، سب سے پہلے اس جانب توجہ مبذول کی تھی۔ جانسن نے سب سے پہلے یہ سوال اٹھایا تھا کہ کسی کی ذاتی زندگی کے حقائق کو خواہ وہ مثبت ہوں یا منفی، کس طرح اور کس حد تک عوام کے سامنے لایا جائے؟ اس طرح کے سوالات نے نئی سوانح عمری کے امکانات کو روشن کیا۔ سوانح نگاری کو جب سے ایک فن کا درجہ حاصل ہوا ہے، اس کے طریق کار اور تکنیکوں کا تجزیہ ادبی دنیا کے لیے بہت ثمر آور ثابت ہوا ہے۔ جانسن کا جانشین ان کا اپنا سوانح نگار جیمز بوسویل (James Boswell) تھا۔ سوانح حیات کے بارے میں ان دونوں کے نظریات بہت مختلف تھے۔ بوسویل کا سوانح نگاری میں طریقہ یہ تھا کہ وہ اپنے موضوع کو، عقل و دانش کے ساتھ، الفاظ، گفتگو اور کہانیوں کے ذریعے خود بولنے دیتے تھے۔(۳)

کسی بھی شخصیت کی سوانح حیات کا اصل مقصد یہ ہے کہ اس شخصیت کے تجرباتِ زندگی سے عوام الناس کو متعارف کروایا جائے کیوں کہ یہ حقیقت ہے کہ کوئی بھی انسان اپنے مسائل کے حل کے لیے، سلطنتوں کے انقلابات کی تاریخ کے بجائے، کسی کی بھی زندگی کی کہانی سے زیادہ سبق حاصل کرتا ہے۔ یہ دراصل ماضی کی شخصیات کو "حیاتِ نو" دینے کا نام ہے۔ اس کے ذریعے ہم ان شخصیات کے کارہائے نمایاں سے واقف ہو کر انہیں سراہنے کے ساتھ ساتھ ان کی زندگی سے سبق بھی حاصل کر سکتے ہیں۔ لیکن دورِ حاضر میں سوانح نگاری کی صنف وسیع تر مفہوم کی حامل ہوتی جا رہی ہے۔ قدیم سوانح نگاروں نے اس صنف میں جن مسائل کا سامنا کیا، اب ان پر قابو پانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ رابرٹ فریزر (Robert Fraser) اپنی تصنیف *After Ancient Biography* میں دورِ حاضر میں فن سوانح نگاری کی اہمیت، وسعت اور دائرہ کار کے بارے میں لکھتے ہیں کہ سوانح نگاری، اپنی خصوصیات اور اندازِ فکر کے لحاظ سے اب ایک وسیع اور ابھرتا ہوا موضوع بن چکا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس موضوع کی درجہ بندی، اصول و ضوابط اور سوانح عمری کے مختلف ادوار کے مابین بامعنی موازنے کے لیے اقدامات کیے جا رہے ہیں۔ ان کے خیال میں سابقہ ادوار سے لے کر موجودہ دور کی سوانح عمریوں پر توجہ مرکوز کرنے کا فائدہ یہ ہوا ہے کہ اس مطالعے نے اس موضوع کے دو پہلوؤں کو روشن کیا ہے۔ اوّل یہ کہ قدیم سوانح عمریوں کو اس انداز سے دیکھا جائے کہ اِس صنف کے اُس دور کے مسائل اور امکانات کس حد تک موجودہ دور کی سوانح نگاری کے مسائل کے عکاس ہیں؟ اور دوم یہ کہ ان اقدامات نے سوانح نگاری کو ماضی کی کہانیوں کے بجائے کون سا ایک نیا موڑ اور نیا رخ عطا کر دیا ہے؟(۴)

اردو ادب میں فن سوانح نگاری کی روایت کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس حوالے سے کی جانے والی تحقیقات بہت کم ہیں؛ حالانکہ سوانح عمریاں ہر دور میں لکھی گئی ہیں۔ سوانح نگاری پر الطاف فاطمہ کی تحقیقی کتاب اردو میں فن سوانح نگاری کا ارتقا (۱۹۶۱ء) اس موضوع پر پہلی تحقیقی کاوش ہے۔ الطاف فاطمہ خود اپنی کتاب کے مقدمہ میں تحریر کرتی ہیں کہ اردو میں فن سوانح عمری کے متعلق بہت کم لکھا گیا ہے۔ ان سے پہلے کسی نے اس موضوع پر کوئی باضابطہ کام کیا ہی نہیں۔(۵) الطاف فاطمہ نے سوانح نگاری کے فن کے بارے میں بنیادی مباحث بیان کیے ہیں۔ مغرب میں فن سوانح نگاری کی سرگزشت *مختصراً* "بیان کی ہے۔ اردو سوانح نگاری کا تصور اور اس کی مختلف شاخوں کا بھی جامع انداز میں ذکر کیا ہے۔ انہوں نے اردو کی سوانح عمریوں کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ لیا ہے لیکن اس کے باوجود واضح، منطقی اور ٹھوس نتائج ان کے ہاں نہیں ملتے۔ بہرحال اس بات میں شک نہیں کہ ان کی تصنیف نہ صرف فن سوانح نگاری کے حوالے سے اہم ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے بلکہ حالی و شبلی کی سوانح نگاری کے بارے میں بھی تفصیلی مواد فراہم کرتی ہے۔

سوانح نگاری میں تحقیق کے حوالے سے ایک اور تصنیف ڈاکٹر سید شاہ علی کی اردو میں سوانح نگاری (۱۹۶۱ء) ہے۔ ابتدائی دو ابواب میں سوانح نگاری کے اصول، مسائل، خصوصیات اور اقسام کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر سید شاہ علی اردو سوانح نگاری کے مقابلے میں مغرب کی سوانح نگاری کو ترقی یافتہ قرار دیتے ہیں۔ اپنی کتاب کے آخر میں انہوں نے اردو سوانح نگاری کا درجہ اردو ادب میں متعین کرتے ہوئے سوانح نگاری کے مستقبل کے حوالے سے منطقی اور استدلالی بحث پیش کی ہے۔(۶)

اس حوالے سے تیسری اہم کتاب فاخرہ ممتاز کی تصنیف اردو میں فن سوانح نگاری کا ارتقا (۱۹۷۵ء-۱۹۱۴ء) ہے جو کہ ۱۹۸۴ء میں منظر عام پر آئی۔ انہوں نے خود نوشتوں اور شخصی خاکوں کو بھی سوانح عمری میں شامل کیا ہے۔ پہلے باب میں فن سوانح نگاری کے ساتھ ساتھ ادب کی دیگر اصناف مثلاً "ناول، افسانہ اور ڈرامہ کی طرح سوانح عمری میں اسلوب کی اہمیت پر بحث کی ہے۔ باب دوم میں ابتدا سے لے کر ۱۹۱۴ء تک کا سوانحی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ سوانح عمری کی روایت کو تاریخوں، تذکروں اور سیرت کی کتابوں میں تلاش کرنے کی سعی کی گئی ہے نیز اس دور کی سوانح عمریوں کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ سب سے پہلے صف اول کے سوانح نگاروں مثلاً حالی و شبلی اور ان کے معاصرین کی سوانح عمریوں کا تنقیدی تجزیہ کیا گیا ہے۔ بعد میں دوم اور سوم درجے کی سوانح عمریوں پر تبصرہ کیا گیا ہے۔ تیسرے باب میں ۱۹۴۷ء-۱۹۱۴ء تک کی سوانح عمریوں کا ارتقائی جائزہ پیش کر کے تنقیدی تجزیہ کیا گیا ہے۔ باب

چہارم میں تقسیم کے بعد سوانح نگاری کے فن میں تبدیلیوں اور نئے رجحانات کا تجزیہ کیا گیا ہے۔(۷) تاہم اس کے مطالعے سے معلومات اور بصیرت میں قابلِ ذکر اضافہ نہیں ہوتا۔

فن سوانح نگاری پر ایک طویل مضمون امیر اللہ خان یقین کی تصنیف فن سوانح نگاری اور دیگر مضامین میں شامل ہے۔اس میں فن سوانح نگاری پر بحث کی گئی ہے۔اس کے علاوہ سوانح نگاری میں مواد اور اسلوب کی اہمیت کی وضاحت کی گئی ہے ۔(۸) اس مضمون میں حالی و شبلی کی سوانح نگاری کے اسلوب پر بحث کی گئی ہے ، تاہم پورا مضمون پڑھنے کے بعد جو پہلا تاثر ملتا ہے وہ یہ ہی ہے کہ مصنف نے زیادہ تر خیالات مندرجہ بالا سوانح نگاری کی کتب سے ہی حاصل کیے ہیں۔

اردو سیرت و سوانح نگاری کی تحقیق میں یہ کتب اور مقالات اہم مآخذ کی حیثیت رکھتے ہیں؛ تاہم یہ ضروری ہے کہ اردو ادب میں سوانح نگاری کے جدید اصول و ضوابط کو بھی زیر بحث لایا جائے کیوں کہ اس صنف کو عروج حاصل کرنے کے لیے اپنی بنیادیں نئے سرے سے استوار کرنا ہوں گی تا کہ سوانح نگار اس صنف کے مسائل سے آگاہ ہو سکیں اور اپنی تصنیف سے پہلے ان کے مناسب حل کے لیے منصوبہ بندی کر سکیں۔اس مقصد کے لیے اس مقالے میں ایک اہم نقاد اور سوانح نگار جیمز لوری کلفرڈ(1978ء-1901ء:James Lowry Clifford) کے بیان کردہ اصول و ضوابط پر بحث کی جائے گی۔

جیمز لوری کلفرڈ(James Lowry Clifford) برطانیہ میں کولمبیا یونیورسٹی میں درس و تدریس کے شعبے سے منسلک رہے۔آپ ایک معروف سوانح نگار ہیں۔ سموئیل جانسن (1709ء-1784ء Samuel Johnson,) کی سوانح عمری کے علاوہ جانسن پر معتبر تحقیقی کام کرنے کی بنا پر انھیں Authority on Samuel Johnson بھی کہا جاتا ہے۔کلفرڈ سوانح نگاری پر تحقیقی کام کے حوالے سے کافی معروف ہیں۔فن سوانح نگاری کے حوالے سے انھوں نے ۱۹۶۲ء میں ایک کتاب *Biography as an Art* لکھی اور ۱۹۷۰ء میں *From Puzzles to Portraits: Problems of Literary Biographer* تصنیف کی۔

ذیل میں جیمز لوری کلفرڈ کے سوانح نگاری کے بارے میں نظری مباحث پیش کیے جا رہے ہیں جو انھوں نے اپنی تصنیف *From Puzzles to Portraits : Problems of Literary Biographer* میں پیش کیے ہیں تاکہ اردو میں بھی فن سوانح نگاری کے حوالے سے ان نکات پر بحث کی جا سکے۔

جیمز لوری کلفرڈ اعتراف کرتے ہیں کہ مغرب میں بھی فن سوانح نگاری پر بہت کم تنقیدی کام ہوا ہے۔ حالاں کہ شاعری، ڈرامہ اور افسانہ نگاری وغیرہ کی تکنیکوں پر وسیع پیمانے پر تبادلہ خیال کیا گیا ہے اور ہزاروں اہم کتب اور مضامین لکھے جا چکے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ اکثر نظریہ سازوں نے سوانح عمری کو تاریخ کا ایک چھوٹا سا حصہ سمجھا ہے اور باقاعدہ اس صنف کے اصول وضوابط کا تعین ہی نہیں کیا۔ چناں چہ اس صنف میں زیادہ تنقیدی تجزیے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی گئی۔ سوانح نگاروں کے لیے یہ عام سی بات تھی کہ وہ کسی بھی شخصیت کے بارے میں حقائق اکٹھا کریں اور انہیں ایک ساتھ جوڑ کر تاریخی ترتیب پر ختم کریں۔ جہاں تک فن کی بات ہے تو اسلوب بیان ہی کو اہم سمجھا گیا۔ کہانی کو سائنسی انداز میں روانی کے ساتھ کہنے کو ہی سوانح نگار کی کاری گری سمجھا گیا، لیکن بعد کے مطالعات نے یہ واضح کیا کہ ایک اچھے سوانح نگار کی ذمہ داری اس سے کہیں بڑھ کر ہے۔(۹)

کلفرڈ کا خیال ہے کہ دور حاضر میں سوانح نگار کے لیے دستیاب شواہد کی توثیق زیادہ مشکل مرحلہ نہیں ہے بلکہ یہ فیصلہ کرنا زیادہ کٹھن ہے کہ دستیاب مواد میں سے کتنا کچھ استعمال کیا جائے؟ کسی کی ذاتی زندگی کی گہرائی میں جانا کس حد تک جائز ہو سکتا ہے؟ یا کسی کی ذاتی زندگی کے حقائق کا کس حد تک انکشاف کیا جا سکتا ہے؟ ادبی تھیوریز کے جدید مباحث نے اس پیچیدگی میں بھی اضافہ کر دیا ہے کہ آیا بایو گرافی میں نفسیاتی وضاحتوں کی کوشش کی جانی چاہیے یا نہیں؟ ان تمام مباحث میں پہلے نقاد دلچسپی نہیں لیتے تھے کیونکہ سوانح نگاری کو ایک الگ صنف شاید ہی سمجھا جاتا تھا۔ اسے تاریخ نگاری کا ایک معمولی ذریعہ سمجھا جاتا تھا۔ سوانح عمری کی ہیئت، ساخت اور اخلاقی مسائل کا تجزیہ کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی جاتی تھی۔(۱۰)

کلفرڈ کے خیال میں ایک سوانح نگار کو جن جن مسائل کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے، ان میں سے سب سے پہلا مسئلہ شواہد کی تلاش ہے، اور جب وہ شواہد ڈھونڈ نکالتا ہے تو اگلا مسئلہ یہ ہوتا ہے کہ ان کو استعمال میں کیسے لائے؟ سوانح نگار کی اکٹھی کی ہوئی معلومات کو کلفرڈ جگ سا پزل (Jigsaw Puzzle) کہتے ہیں اور سوال کرتے ہیں کہ ایک سوانح نگار اس پزل کو ایک پوری تصویر کے روپ میں کیسے لائے؟ وہ ان بکھری ہوئی معلومات میں سے کس کو اپنے مواد کے طور پر اپنائے؟ ان سوالات کے جوابات حاصل کرنے کے لیے وہ سوانح نگار کو صرف لائبریریوں میں بیٹھ کر تحقیق کرنے اور مواد جمع کرنے سے منع کرتے ہیں۔ وہ سوانح نگار کے لیے بیرونِ خانہ تحقیق یا Outdoor Research کا طریقہ متعارف کرواتے ہیں، تاکہ سوانح نگار کو نئے شواہد مل سکیں۔ کلفرڈ نئے شواہد کی تلاش میں سوانح نگار کی طرف سے دو طرح کے

سوالات گنواتے ہیں۔ پہلا سوال یہ ہے کہ "جب مشہور لوگوں کے بارے میں تمام شواہد موجود ہیں تو پھر نئی معلومات کی تلاش میں وقت کیوں برباد کیا جائے؟"(۱۱)

کلفرڈ اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ ہر کوئی جانتا ہے کہ نامعلوم اور غیر مطبوعہ ڈائریاں اور خطوط نئی تعبیرات میں روشنی کی نئی کرن کی مانند ہوتے ہیں۔ یہ اثاثہ خواہ کم ہی کیوں نہ ہو، تنقیدی تجزیے کے لیے بہت اہم سمجھا جاتا ہے۔ کلفرڈ کا خیال ہے کہ دوسرا سوال یہ کیا جا سکتا ہے کہ سوانح نگاری کے حوالے سے بہت سے موضوعات کے بارے میں پہلے سے مطبوعہ مواد موجود ہونے کے باوجود دستاویزات کے اصلی نمونے کی تلاش پر ہی کیوں برسوں صرف کر دیے جاتے ہیں۔(۱۲)

اس کا جواب کلفرڈ کے خیال میں واضح ہے کہ بہت سارے پچھلے مواد قابل اعتبار نہیں ہیں۔ وہ اس بات پر اصرار کرتے ہیں کہ بیسویں صدی سے پہلے کے ترمیم شدہ مواد پر مکمل طور پر یا متن کی درستی کے لیے بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ ان کا دعویٰ ہے کہ انہوں نے بہت سے پرانے نسخوں کی جانچ پڑتال کی، ان کو ایک بھی ایسا نسخہ نہیں ملا جس کے ساتھ چھیڑ چھاڑ نہ کی گئی ہو، بلکہ ان کو بہت حد تک تبدیل کر دیا گیا ہے۔ انیسویں صدی تک یہ اضافہ بہت معمولی سا تھا۔ ہم تک متن اس درستی کے ساتھ نہیں پہنچا، جس کا مطالبہ آج کا محقق کرتا ہے۔ ان کی رائے ہے کہ جب تک ہمیں یہ یقین نہ ہو جائے کہ جو کچھ بھی ماضی کے نامور لوگوں نے سوچا، کہا یا کیا تو کیا وہ من و عن ہم تک پہنچ رہا ہے؟ اگر نہیں تو پھر ہم ماضی کو جاننے کا دعویٰ نہیں کر سکتے۔(۱۳)

جیمز لوری کلفرڈ بتاتے ہیں کہ ایک سوانح نگار کے لیے ضروری ہے کہ اپنی تصنیف سے پہلے، وہ درج ذیل امور کو پیشِ نظر رکھے۔

۱۔ وہ مواد کو کس ترتیب میں پیش کرے گا؟

۲۔ وہ اپنی تحریر میں تاریخی تسلسل کو برقرار رکھنے کے لیے، خود کو کس حد تک آزاد تصور کر سکتا ہے؟

۳۔ کیا اسے صاحبِ سوانح کے حسب، نسب اور پیدائش سے شروع کرنا چاہیے اور پھر اگلے ابواب میں ایک ترتیب سے بڑھتا جائے اور موت تک کے حالات اس طرح تحریر کرے۔ جس طرح وہ وقوع پذیر ہوئے ہوں؟

۴۔ کس مواد کو استعمال کیا جائے؟

۵۔ اقتباسات کون سے اور کتنے شامل کیے جائیں؟

۶۔ موزوں مواد کا انتخاب کیسے کیا جائے؟

یہاں یہ نکتہ قابلِ غور ہے کہ ایک مصنف کس طرح مواد کی اہمیت کا اندازہ لگا سکتا ہے؟ اس کے شعور کی کون سی آواز اسے یہ بتاتی ہے کہ اس جملے کا اقتباس دینا ہے اور اس کا نہیں؟ مختلف روایات میں سے کسی کو نظر انداز کر کے کسی روایت پر کس طرح اعتبار کیا جا سکتا ہے؟ کیا سوانح نگار مختلف روایات کے انتخاب کے سلسلے میں اپنے تنقیدی فیصلوں سے آگاہ ہوتے ہیں؟ کلفرڈ خود ہی ان سب سوالات کے جواب میں بتاتے ہیں کہ جب کسی مواد میں سے کسی ایک چیز کو لینا ہو اور دوسری کو چھوڑنا ہو، تو مواد کا انتخاب مصنف کی تنقیدی بصیرت کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ اگر صاحبِ سوانح کی شخصیت و کردار کے مختلف پہلو سامنے موجود ہوں تو سوانح نگار کو زیادہ تنقیدی بصیرت کی ضرورت ہوتی ہے۔(۱۴)

زیادہ تر سوانح نگار پہلے سے اچھی طرح تیار کردہ خیال سے آغاز کرتے ہیں کہ ان کی تصنیف کا موضوع کیسا ہونا چاہیے؟ وہ اسی منتخب نمونے یا pattern کی تائید میں اپنی تصنیف کے لیے شواہد کا انتخاب کرتے ہیں۔(۱۵)

زیادہ تر سوانح نگار اپنی تصنیف کے مقاصد اور طریق، کار کے بارے میں کوئی باقاعدہ اصول متعین نہیں کرتے، کیوں کہ وہ اپنے آپ کو صرف تخلیقی فن کار سمجھتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ وہ بہت کم تنقیدی سوچ سے کام لیتے ہیں۔ بہت سے سوانح نگار اپنی تصنیف کی ہیئت یا ڈھانچے اور تکنیک کے مسائل سے بے خبر ہوتے ہیں، لیکن باصلاحیت سوانح نگار اپنے کام کے لیے پہلے اصول وضع کرتے ہیں اور پھر ان اصولوں کی روشنی میں اپنی تصنیف مکمل کرتے ہیں۔

سوانح نگاری کے لیے ضروری شرط ہے کہ سوانح نگار صاحبِ سوانح کی زندگی کو نمایاں کرنے والے تمام شواہد سے ہر ممکن طریقے سے واقف ہو۔ سوانح نگاروں کو اپنے موضوع کے بارے میں متعلقہ تفصیلات یاد رکھنی چاہیں، بلکہ کلفرڈ انھیں باقاعدہ نوٹس بنانے کا مشورہ دیتے ہیں، تاکہ اپنے منتخب نمونے (Pattern) میں وہ ان تفصیلات کو فٹ کرتے ہوئے غیر ضروری تفصیلات کو نظر انداز کرتے جائیں اور ان کا ایک متوازن نقطہ نظر سامنے آئے۔ اس نکتے کی وضاحت ضروری ہے کہ اگر سوانح نگار کے پاس دستیاب شواہد اتنے کم ہوں کہ کچھ بھی، چاہے وہ کتنا ہی غیر متعلق ہو، اسے اپنی تصنیف میں شامل کرنا پڑے، تو اسے یہ بات لازماً ملحوظ رکھنی چاہیے کہ اگر بظاہر معمولی سا نکتہ اپنی تحریر میں شامل کیا ہے تو اس کے پیچھے کوئی معقول وجہ ہونی چاہیے، خواہ وہ ساختی اعتبار سے ہو یا تنقیدی اعتبار سے، لیکن اگر مواد زیادہ دستیاب ہو تو ضروری نہیں کہ اسے اپنی تصنیف میں ہی ضم کرے، بلکہ سوانح نگار کو اس کا گہرائی سے مطالعہ کرنا چاہیے، اضافی معلومات کو اضافی نوٹس یا حواشی میں لکھا جا سکتا ہے تاکہ غیر ضروری طوالت سے بچا جا سکے۔ اگر ایک ہی واقعے پر مختلف راویوں کی مختلف آرا پائی جاتی

ہوں تو کچھ سوانح نگار سب آرا کو تحریر کر دیتے ہیں اور فیصلہ قاری پر چھوڑ دیتے ہیں، لیکن دراصل یہ ذمہ داری سے فرار حاصل کرنے کے مترادف ہے۔(۱۶)

کلفرڈ سوانح نگاری کا ایک اہم اصول بتاتے ہوئے کہتے ہیں کہ کسی بھی سوانح نگار کو واقعات کی تعبیر اور جانچ پڑتال میں سنی سنائی روایات اور زبانی داستانوں کو قبول نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ بار بار زبانی دہرائی جانے والی روایات کو نہایت لطافت کے ساتھ غیر محسوس طریقے سے تبدیل کیا جاسکتا ہے۔ چونکہ الفاظ کی معمولی سی تبدیلی بھی پورے معنی کو مسخ کر سکتی ہے، اس لیے اب یہ سوانح نگار کا فرض ہے کہ وہ حقائق کا دیانت داری سے تجزیہ کرے۔ بااصول سوانح نگار کو کسی بھی واقعے (جسے وہ جانتا ہو) کی تفصیلات فراہم کرتے ہوئے بہت محتاط رویہ اپنانے کی ضرورت ہوتی ہے، خاص طور پر ایسے واقعات جو بار بار تحریر ہو چکے ہوں یا پھر بے احتیاطی سے مدون کیے گئے ہوں، چوں کہ سوانح نگار ہمیشہ سچ کی تلاش میں ہوتا ہے، اس لیے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ جمع شدہ حقائق کی اعتباریت کا اندازہ لگائے اور ہر واقعے کو سخت تنقید کا نشانہ بنائے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ نقاد سوانح نگار کے لیے یہ ضروری قرار دیتے ہیں کہ وہ اپنے کشادہ ذہن (Open Mind) کو موضوع میں ہر قسم کی ممکنہ تبدیلیوں کے لیے تیار رکھے۔(۱۷)

سوانح نگاری کی اقسام:

کلفرڈ کے خیال میں ایک سوانح نگار کے لیے اپنی سوانح نگاری کی ساخت، ہیئت اور بنیادی سمت متعین کرنا ایک مشکل اور اہم فیصلہ ہوتا ہے۔ اکثر سوانح نگار پہلے سے سوانح عمری کی ہیئت اور ساخت طے نہیں کرتے، نہ ہی وہ ابواب بندی کی منصوبہ بندی کرتے ہیں۔ ان کا بنیادی مقصد روانی سے کہانی بیان کرنا ہوتا ہے۔ ان کے خیال میں جیسے جیسے ان کی کہانی آگے بڑھتی ہے خود بخود ہی ہیئت متعین ہو جاتی ہے، لیکن در حقیقت سوانح نگار کے لیے ضروری ہے کہ وہ پہلے اس بات کا تعین کر لے کہ وہ کس قسم کی سوانح عمری تصنیف کر رہا ہے؟ وہ اپنے شواہد یا اسلوب کی بھی اس وقت تک وضاحت نہیں کر سکتا جب تک اسے خود یہ معلوم نہ ہو کہ اس کی تصنیف کیا شکل اختیار کرے گی، لیکن یہ سب اتنا آسان نہیں جتنا نظر آتا ہے۔ آج کل کے جدید مباحث اس بات پر زور دیتے ہیں کہ ایک ہی مخصوص قسم کی تصنیف کی بجائے مختلف اقسام کی سوانح عمریوں میں سے، جو کہ وسیع پیمانے پر موجود ہیں، کسی ایک کا انتخاب کیا جائے۔ اصل دشواری اس وقت محسوس ہوتی ہے جب سوانح نگار کو اس بات کا ادراک ہوتا ہے کہ مختلف اقسام کی سوانح عمریوں کے مابین فرق کی نشاندہی کے لیے کوئی باقاعدہ طریق کار نہیں ہے۔ ان اقسام کے تعین کے بارے میں کچھ نقادوں کی رائے ہے کہ یہ صرف ذرائع کے استعمال کی بات ہے۔ ایسے لوگوں

کی سوانح جن کا زمانہ قدیم ہے اور ان کے بارے میں معلومات سے آگاہی بھی کم ہے تو ان کی سوانح حیات کے بیان میں زیادہ زور پس منظر پر دیا جاتا ہے، اور اگر صاحب سوانح کا تعلق جدید دور سے ہو اور اس کے بارے میں بہت سے شواہد دستیاب ہوں، مطبوعہ و غیر مطبوعہ مخطوطات تک رسائی بھی ممکن ہو تو سوانح عمری میں ان معلومات کے درست استعمال کا سوال اٹھتا ہے۔ سوانح عمری کی درجہ بندی مصنف کی طرف سے کی گئی تعبیر و وضاحت کے ذریعے سے بھی کی جاسکتی ہے۔ مصنف چاہے تو صرف حقائق بیان کرے یا صاحب سوانح کے شعور تک رسائی حاصل کرے اور اس کے افعال کے پیچھے وجوہات و اسباب تلاش کرے۔ واقعات کے تجزیے کے لیے یہ ضروری نہیں کہ وہ سب واقعات کے اسباب کو بخوبی جانتا ہو، لیکن وہ اپنی تنقیدی بصیرت اور ذہانت سے کام لے کر واقعات کی تعبیر پیش کرتا ہے۔ کسی بھی واقعے کے تجزیے کے بہت سے ممکنہ طریقے ہو سکتے ہیں، ان ہی ممکنہ طریقوں کی روشنی میں کلفرڈ سوانح عمری کی پانچ اقسام میں درجہ بندی کرتے ہیں، ہر چند کہ یہ درجہ بندی آسان کام نہیں تاہم کلفرڈ نے سوانح نگاری کی مندرجہ ذیل اقسام گنوائی ہیں۔(۱۸)

۱۔ معروضی بائیو گرافی(Objective Biography)

۲۔ علمی، تاریخی بائیو گرافی(Scholarly Historical Biography)

۳۔ فنکارانہ (ادیبانہ) بائیو گرافی(Artistic Biography)

۴۔ بیانیہ بائیو گرافی(Narrative Biography)

۵۔ افسانوی بائیو گرافی (Fictional Biography)

۱۔ معروضی بایو گرافی:

یہ سوانح نگاری کی وہ قسم ہے، جس میں صاحب سوانح کے متعلق مواد کو اکٹھا کرنے اور اسے کسی بھی ذاتی تبصرے کے بغیر پیش کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس قسم کی سوانح نگاری میں سوانح نگار اپنی طرف سے وہ تمام مواد جمع کرتا ہے جو صاحب سوانح کی زندگی سے کسی نہ کسی طرح وابستہ ہوتا ہے اور اپنی تصنیف کو تاریخی حقائق کا منبع سمجھتا ہے جسے وہ کسی بھی قسم کی ذاتی دخل اندازی اور موضوعی وضاحت کے بغیر مکمل کرتا ہے۔ معروضی سوانح عمری کی تفصیلات فراہم کرنے سے پہلے کلفرڈ خود تذبذب کا شکار نظر آتے ہیں اور سوال کرتے ہیں کہ آیا اس قسم کی سوانح نگاری ممکن بھی ہے یا نہیں؟ کلفرڈ کا کہنا ہے کہ بہت سے تاریخ نگاروں نے خواہ مخواہ یہ فرض کر لیا کہ وہ مکمل طور پر معروضی ہو سکتے ہیں۔ چونکہ آج ہم قدیم شواہد کے بارے میں مشکوک ہو چکے ہیں اور یہ نقطہ نظر اپنایا جا چکا ہے کہ ماضی کا کوئی وجود نہیں سوائے اس کے کہ جو ہمارا

ذہن بنائے۔اس لیے تاریخ نگار شعوری یا غیر شعوری طور پر ماضی کو اپنی شخصیت کے نقش میں ڈھالتا ہے، لیکن اس کے برعکس معروضی سوانح عمری والوں کا مؤقف ہے کہ انہوں نے دستیاب شواہد اکٹھے کیے،ان کی صداقت کو جانچا اور پھر قاری کے سامنے پیش کر دیا۔لیکن جب ان سے سوال ہوا کہ انہوں نے مواد کے انتخاب کا مرحلہ کیسے طے کیا تو وہ اسی بات کا اعادہ کرتے رہے کہ مواد کا انتخاب ہمیشہ ہی مواد کے اندرونی رنگ اور موضوع کی نوعیت کے مطابق کرنا پڑتا ہے۔وہ یہ تسلیم کرنے سے گریزاں تھے کہ مواد کا انتخاب کسی نہ کسی طور پر مصنف کی ذاتی سوچ اور خیال سے منسلک ہوتا ہے۔دراصل اس معاملے میں مصنف کا ذاتی انتخاب اہمیت کا حامل ہوتا ہے، کیونکہ دستیاب معلومات میں سے،اس نے کون سی استعمال کرنی ہیں، یہ اسی کا فیصلہ ہوتا ہے۔(۱۹)

۲۔علمی،تاریخی بائیو گرافی:

اس قسم کی سوانح عمری میں ہر ممکن طریقے سے شواہد اکٹھے کیے جاتے ہیں لیکن ان شواہد کو محتاط انداز سے قاری کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔مواد کی پیشکش میں مصنف کی طرف سے افسانوی حربوں، قیاس آرائی اور نفسیاتی تجزیے کے ذریعے صاحب سوانح کی شخصیت اور اس کے افعال کی ترجمانی کرنے کی کوشش نہیں کی جاتی۔اگر علمی و تاریخی سوانح عمری کی تکنیک کی بات کی جائے تو یہ صرف اور صرف منتخب حقائق کا محتاط استعمال ہے، جن کو تاریخی پس منظر میں جوڑنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ اس قسم میں اتنی احتیاط کے باوجود جب کبھی کسی واقعے کی موضوعی وضاحت کی ضرورت محسوس ہو تو، مصنف کی جانب سے اس کی ذاتی رائے کی گنجائش رہتی ہے، لیکن اس قسم کے حامل سوانح نگار ہمیشہ دیانت دار رہنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ قاری خود ہی سمجھ جائے کہ اصل معاملہ کیا ہے۔(۲۰)

۳۔فنکارانہ(ادیبانہ) بائیو گرافی:

زیادہ تر نقاد سوانح نگاری کی اس قسم کے لیے "ادبی سوانح نگاری" کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں، لیکن کلفرڈ نے اس کو فنکارانہ طرز کی حامل بتایا ہے۔ان کے خیال میں ادبی سوانح نگاری انفرادیت کی حامل ہوتی ہے، اگرچہ یہ تخیل کی وجہ سے کچھ مبہم ہو جاتی ہے، لیکن فنکارانہ عمل کے ذریعے بصیرت حاصل کرنے کا یہ امکان قارئین کے لیے زیادہ کشش کا باعث ہوتا ہے، جس میں سوانح نگار اپنے تخیل کے ذریعے تاریخی بیانیے کو آگے بڑھاتا ہے۔یہ ایک ایسی صنف ہے جس میں زندگی کے بیانیے(Life Narrative) کو مختلف زاویوں سے تلاش کیا جا سکتا ہے۔اس قسم میں جب ایک بار شواہد اکٹھے ہو جائیں

توسوانح نگار ایک تصوراتی اور تخلیقی فنکار کے طور پر حقائق کو ممکنہ طور پر انتہائی دلچسپ انداز میں پیش کرتا ہے، لیکن شعوری طور پر حقائق کی صداقت کو مسخ نہیں کیا جاتا یا از خود واقعات بنائے نہیں جاتے۔ اصل نقطہ یہ ہے کہ سوانح نگار اپنے آپ کو ایک مؤرخ سے زیادہ اہم سمجھتا ہے۔ جیسا کہ لیئن ایڈل کا کہنا ہے:

> The biographer may be as imaginative as he pleases – the more imaginative the better – in the way in which he brings his materials together. But he must not imagine the materials. He must read himself into past; but then he must read that past into our present.(۲۱)

کلفرڈ اپنی ایک اور تصنیف Young Sam Johnson کو اس طرز کی سوانح عمری کی مثال کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ انہوں نے اپنی تصنیف کے لیے ہر ممکن حد تک جا کر شواہد تلاش کیے، لیکن جب انہوں نے لکھنے کا آغاز کیا تو اپنی توجہ اس بات پر مرکوز کی کہ ان دستیاب شواہد کو کس طرح تخیلاتی انداز میں استعمال کریں تاکہ نفس مضمون کو کہانی کے انداز میں روانی سے بیان کر سکیں۔ ظاہر ہے تاریخی حقائق کے بیان میں خیال بافی سے کام لینا خطرے سے خالی نہیں ہوتا۔ اس میں انتہائی بصیرت کے ساتھ ان حقائق کو تصور کی آنکھ سے بیتتے ہوئے دکھایا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر وہ اپنی تصنیف میں اس تکنیک کی وضاحت میں لکھتے ہیں کہ انہوں نے اپنی تصنیف کے پہلے باب میں پچپن سالہ جانسن کو اُس کی زندگی کے ابتدائی سالوں کا احوال لکھتے ہوئے دکھانا تھا۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے بوسویل کی تصنیف، جو انہوں نے ۱۷۶۵ء میں تحریر کی تھی، سے رجوع کیا۔ اس تصنیف میں بوسویل نے بتایا تھا کہ جانسن جب بھی کچھ لکھنے بیٹھتے تھے، تو وہ اپنے سر کو ہلا ہلا کر، آگے پیچھے کر کے، خود کلامی کرتے ہوئے اور اپنے گھٹنے کو ہاتھ کی ہتھیلی سے رگڑتے ہوئے لکھتے تھے۔ جہاں تک بوسویل کو علم تھا، اسی سال جانسن نے اپنی گیارہ سال تک کی زندگی کو بیان کرتے ہوئے ایک چھوٹا سا سوانحی ٹکڑا لکھا تھا۔ کلفرڈ بتاتے ہیں کہ اس طرح ان دونوں مثالوں کو جوڑ کر انہوں نے اپنی تصنیف کا ڈرامائی انداز سے آغاز کیا۔(۲۲) لیکن کلفرڈ یہاں خطرے کی بات بھی کرتے ہیں کہ اگر کسی واقعہ کی تخیلاتی تفصیلات اصل متن یا نسخے میں نہ ہوں یا پھر انہیں تبدیل کر دیا گیا ہو، اور یہ واضح ہو جائے کہ مصنف نے جو کچھ تخیل کی آنکھ سے دیکھا ہے، وہ غلط ہے، تو سوانح نگار

کی رنگین عبارت معتبر ہونے کے بجائے مشکوک ہو جاتی ہے اور مصنف کے لیے شرمندگی کا باعث ثابت ہوتی ہے، لیکن اس کے باوجود سوانح نگار خطرہ مول لیتے ہیں اور ڈرامائی انداز میں ترتیب وار حقائق بیان کرتے چلے جاتے ہیں۔ یہاں پر اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ سوانح نگار کو چاہیے کہ حواشی میں اپنے ذرائع سے آگاہ ضرور کرے تاکہ اگر کوئی قاری ان حقائق کی پرکھ کرنا چاہے تو اس کے لیے آسانی ہو، اور متن میں روانی کے دوران یہ مدنظر رکھے کہ کوئی بھی مکالمہ یا منظر ایسا تخلیق نہ کرے جو کہ حقیقت میں رونما ہی نہ ہوا ہو۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ادبی بایو گرافی قارئین کے اذہان پہ غیر معمولی اثرات مرتب کرتی ہے۔ چاہے عام انسان کی ہی سوانح کیوں نہ ہو، قارئین اس تصنیف کو تخلیقی وجود کی بنیادی شرط کے طور پر قبول کرتے ہیں۔(۲۳)

۴۔ بیانیہ بائیو گرافی:

اس بایو گرافی میں تمام حقائق اکٹھے کرنے کے بعد ان کو داستان کی طرح بیان کیا جاتا ہے یہ داستان تقریباً تخیلاتی ہوتی ہے۔ اس میں ڈرامائی مناظر اور گفتگو ہوتی ہے جو کہ حقیقی زندگی کی فضا پیدا کرتے ہیں۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ سوانح میں ہونے والے مکالمے یا گفتگو غیر حقیقی ہوتی ہے۔ اس میں دستاویزات اور تحریری نسخوں کی مدد لی جاتی ہے۔ خطوط یا ڈائریوں کے حوالہ جات یا دیگر ذرائع سے حاصل ہونے والی معلومات کو مکالمے کی شکل میں اس طرح پیش کیا جاتا ہے جیسے وہ مکالمہ سوانح نگار کی نظر کے سامنے رونما ہوا ہو۔ سوانح نگار مختلف ذرائع سے حاصل ہونے والے مواد کو اصل گفتگو کے طور پر اپنے متن میں پیش کرتا ہے۔ سوانح نگار کا یہ فرض ہے کہ وہ واقعات و حقائق کی صداقت پر کوئی سمجھوتہ نہ کرے، البتہ ان واقعات کے اثرات کو مزید واضح کر کے بیان کر سکتا ہے۔ اس قسم کی سوانح عمری میں سوانح نگار اپنی طرف سے تخیل کی مدد سے واقعات کی موضوعی وضاحت کرتا ہے اور اپنے بیانیہ کو رنگین بناتا ہے۔ یہ وضاحت ضروری ہے کہ اس قسم کی سوانح عمری خالصتاً افسانے کی طرز پر نہیں لکھی جاتی کیونکہ افسانے میں حقائق کے مسخ ہونے کا خطرہ رہتا ہے۔

۵۔ افسانوی بائیو گرافی (Fictional Biography):

افسانوی سوانح نگار خود کو ناول نگار سمجھتا ہے۔ اس قسم کی سوانح نگاری میں تخیل کو پوری ڈھیل دی جاتی ہے۔ مصنف کو زیادہ گہرائی سے تحقیق کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ دیگر محقق یہ کام کر چکے ہوتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ افسانوی بایو گرافر ثانوی ذرائع پر زیادہ انحصار کرتے ہیں اور اپنی طرف سے خشک تاریخی حقائق کو ادب میں

بدلنے کی کوشش کرتے ہیں۔ نامعلوم حقائق کی وجہ سے تاریخی واقعات میں جب بھی کچھ خالی جگہیں آتی ہیں تو وہ ضروری لوازمات بنا کر خالی جگہوں کو پر کر دیتے ہیں۔ اپنی طویل گفتگو سے پس منظر کا تصور دیتے ہیں اور اپنی تصنیف کو ایک ناول کی شکل میں ڈھال دیتے ہیں۔ افسانوی سوانح نگار اپنے ہیرو کی زندگی کی تفصیلات اور اہم مناظر خوبصورتی سے عیاں کرتا ہے۔ افسانوی سوانح عمری میں بیان کیے گئے حقائق کو زیادہ معتبر نہیں سمجھا جاتا۔ اس میں ناول کی کچھ تکنیکوں کا استعمال کیا جاتا ہے، لیکن افسانوی مناظر صاحب سوانح کی زندگی کے حقائق پر ہی مبنی ہوتے ہیں یا پھر ان سے ماخوذ ہوتے ہیں۔ (۲۴)

مستقبل میں سوانح نگاری کے چیلنج:

مستقبل میں ہمیں سوانح نگاری پر زیادہ تنقید کی ضرورت ہے۔ جو بلاشبہ کسی کی زندگی کو تخلیقی عمل کے طور پر سمجھنے میں مدد دے گی۔ اس صنف کے امکانات پر مزید بحث ہونی چاہیے جس کے ذریعے ایک ذہین قاری خود سوانح نگار اور صاحبِ سوانح کے تعلقات کا اندازہ کر سکے گا۔ (۲۵) آج کل کے جدید دور میں، نئی ٹیکنالوجی کی ایجادات کی وجہ سے شواہد کے نئے ذرائع سامنے آ چکے ہیں، جن کی مدد سے صاحب، سوانح کی زندگی کے پوشیدہ گوشے بے نقاب کیے جا سکتے ہیں۔

اس عمل میں سائنس کی ممکنہ شراکت سے بہت حیران کن نتائج سامنے آ رہے ہیں۔ مثال کے طور پر ہینڈ رائٹنگ کے مطالعے سے بہت کچھ عیاں کیا جا سکتا ہے۔ قدیم گرافالوجسٹ شاید ہی کبھی اس بات کے قائل رہے ہوں کہ ہینڈ رائٹنگ کا مطالعہ کردار کی جانچ کے لیے اہم ہو سکتا ہے، کیونکہ کسی بھی انسان کے لکھنے کا انداز صرف اس کے ابتدائی سکول کی ہدایات ہی کی عکاسی کر سکتا ہے۔ بہر حال اگر گہرائی سے مطالعہ کیا جائے تو کچھ حد تک جذباتی دباؤ کسی کی لکھائی کے انداز سے ظاہر ہو سکتا ہے، اور کسی بحران، دکھ، یا تکلیف کی حالت میں تبدیلیوں اور تغیرات سے اس کے اندرونی مزاج کا سراغ لگایا جا سکتا ہے۔ کسی کی ذاتی دستاویزات کی جانچ کے لیے کمپیوٹر کو مفید انداز میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔

زندہ شخصیات کی سوانح عمری لکھنے کے لیے شواہد کے سلسلے میں امکانات مزید وسیع ہو سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں کلفرڈ ایک دلچسپ رائے دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ سوانح نگار کسی شخص کے جینز اور گلینڈز سے نکلنے والے ہارمونز کی مقدار سے بھی اس کی فطرت اور مزاج کا اندازہ لگا سکتا ہے۔ اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ خون کی مختلف اقسام انسان کے عادات وغیرہ پر اثر انداز ہوتی ہوں۔ قیدیوں اور مجرموں کی شخصیت کے غالب رجحانات کا کھوج لگانے کے لیے تو یہ طریقے استعمال میں آ رہے ہیں۔ ممکن ہے کہ سوانح نگار بھی ان سے مدد لینے پر آمادہ ہو جائے۔ (۲۶)

یہ حقیقت ہے کہ معاصر عہد میں جدید سوانح نگار علم و دانش کے حوالے سے بلند تر مقام کی تلاش میں سر گرداں ہے۔ موجودہ حالات میں وہ صرف سچائی کی تلاش پر ہی اکتفا نہیں کر سکتا بلکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ سماجی مفاد کے لیے معاشرے میں مثبت اثرات مرتب کرنے کے لیے اپنے موضوع کے لیے نئے دریچوں کی تلاش کرے اور اس مقصد کے لیے تمام ممکنہ ذرائع کو بروئے کار لاتے ہوئے اپنی تصنیف کی تکمیل کرے۔

مندرجہ بالا مباحث کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ موجودہ دور میں سوانح نگار کی ذمہ داری اکہری نہیں بلکہ کثیر الجہتی ہے اس لیے ضروری ہے کہ وہ سوانح عمری لکھتے ہوئے ناقابل تردید شواہد کے ممکنات پر اصرار کرے، عمومی سماجی مفاد کو پیش نظر رکھے، قارئین کی دلچسپی اور رغبت کو اہمیت دے، معاشرے میں مثبت اثرات مرتب کرنے کے لیے نئے دریچوں کی تلاش کرے، سوانح نگاری میں نئے اصولوں کو متعارف کروائے، نئے مواد اور شواہد کا بلا تاخیر تجزیہ کرے، اپنے موضوع سے متعلقہ دیگر شعبوں سے آگہی رکھے اور سوانح و سیرت نگاری کے میدان میں نئے افق تلاش کرے۔ اس کے ساتھ ساتھ نقاد کا بھی فرض ہے کہ اردو میں سوانح نگاری کی صنف کو ٹھوس اور منطقی اصول و ضوابط کے تحت پرکھنے اور اس کی قدر و قیمت متعین کرنے کا کام پوری سنجیدگی سے سرانجام دے اور اس صنف کے معیارات کا از سرِ نو تعین کرے۔

حوالہ جات

۱۔ مائیکل بینٹن (Michael Benton) *Literary Biography: An Introduction*، ویلی۔ بلیک ویل پبلشرز، یوکے، ۲۰۰۹ء، ص ۱۳۔

۲۔ لیئن ایڈل (Leon Edel)، *Writing Lives*، نارٹن، نیویارک، ۱۹۸۴ء، ص ۳۱۔

۳۔ مائیکل بینٹن (Michael Benton) *Literary Biography: An Introduction*، ص ۵۔

۴۔ رابرٹ فریزر (Robert Fraser) *After Ancient Biography*، سپر نگر نیچر، سوئٹزر لینڈ، ۲۰۲۰ء، ص۔

۵۔ الطاف فاطمہ، اردو میں فن سوانح نگاری کا ارتقا، اردو اکیڈمی، سندھ، ۱۹۶۱ء، ص ۲۷۔

۶۔ سید شاہ علی، اردو میں سوانح نگاری (ڈھاکہ: گلڈ پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۶۱ء)۔

۷۔ فاخرہ ممتاز، اردو میں فن سوانح نگاری کا ارتقا : 1914 تا 1975ء، رونق پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۱۹۸۴ء۔

۸۔ امیر اللہ خان شاہین، فنِ سوانح نگاری اور دیگر مضامین، طاہر بک ایجنسی، دہلی، جون ۱۹۷۳ء۔

۹۔ جیمز لوری کلفرڈ (James Lowry Clifford)، *From Puzzle To Portrait : Problems of Literary Biographers*، یونیورسٹی آف نارتھ کیلیفورنیا پریس، چیپل ہل ۱۹۷۰ء، ص ۲۔

۱۰۔ ایضاً، ص ۱۱۳۔

۱۱۔ ایضاً، ص ۳۔

۱۲۔ ایضاً۔

۱۳۔ ایضاً، ص ۴۔

۱۴۔ ایضاً، ص ۱۰۹۔

۱۵۔ ایضاً، ص ۱۱۰۔

۱۶۔ ایضاً، ص ۸۱۔

۱۷۔ ایضاً، ص ۱۱۰۔

۱۸۔ ایضاً، ص ۸۴۔

۱۹۔ ایضاً، ص ۸۵۔

۲۰۔ ایضاً۔

۲۱۔ ایضاً۔

۲۲۔ ایضاً، ص ۸۶۔

۲۳۔ مائیکل بینٹن (Michael Benton) *Literary Biography: An Introduction*، ص ۳۔۲۔

۲۴۔ جیمز لوری کلفرڈ(James Lowry Clifford)، *From Puzzle To Portrait : Problems of Literary Biographers*، ص۸۷۔

۲۵۔ ایضاً، ص۱۳۲۔

۲۶۔ ایضاً، ص۱۳۳۔